ہے اور ہونی ہو کر رہتی ہے۔

یہ کلام سُن کر مجھ سے رہا نہ گیا۔ کہا کہ پنڈت ٹھیک کہا تمہارے ویاس جی نے ۔ آج کل بھی تو یہی احوال ہے۔ غور کا مقام ہے کہ مہاتما گاندھی مولانا شوکت علی کو اس نیت سے ہمراہ کوہاٹ لے گئے تھے کہ دونوں مل کر ہندو مسلمانوں کو ٹھنڈا کریں۔ لے لو وہ تو وہاں جا کر خود ہی آگ بگولا ہو گئے۔ دونوں میں ٹھن گئی۔ مجھے ان جھگڑوں کا انجام اچھا نظر نہیں آتا۔ پنڈت اِن بدھیانوں کو کچھ عقل سکھاؤ۔ کچھ سمجھاؤ۔

پنڈت گنگا دت چپ ہو گئے۔ تامل کر کے بولے کہ مشتاق علی جی، حضرت سری کرشن مہاراج اور حضرت بھیشم پتامہ نے فریقین کو کتنا سمجھایا۔ کوئی سمجھا؟ جب ان ستیوں کا کہا کسی نے نہ مانا تو ہم تم کس کھیت کی مولی ہیں۔ مشتاق علی جی، بس چپ ہی ہو رہو۔ یہ زمانہ بولنے کا نہیں ہے۔

المختصر یہی آشوبِ زمانہ دیکھ کر فقیر نے سوچا کہ آبا جانی خواب میں بر وقت آئے از بسکہ چرخ کج رفتار ہے اور بے زمانہ بے ثبات ہے، سو اس سے پہلے کہ زمانہ آنکھیں پھیرے اور رشتہ حیات منقطع ہو جائے تو ہاتھ میں خامہ پکڑ اور بعد حمد و نعت کے اور ساتھ درود و سلام کے جاری ہو۔ حالاتِ خاندان و نیز حالاتِ زمانہ بے کم و کاست قلمبند کر۔ مگر اختصار کو ملحوظ رکھ کر رسالہ لمبا نہ ہو جائے اور طبیعت پڑھنے والے کی ملول نہ ہو۔ جاننا چاہیے کہ کلام میں طوالت خص کے نزدیک ایک عیب ہے اور اہلِ ذوق کے لئے ــــ باعثِ گرانیِ طبع اور ــــ موجبِ ملال ــــــ

ـــــ و نیز ـــــ

آگے کی عبارت باوجود کوشش کے پڑھی نہ جا سکی۔ کچھ ورق بوسیدہ کچھ خط شکستہ

یہ پلندا میاں جان کا مخطوطہ تھا یعنی میرے دادا مرحوم کا جنہیں خاندان میں سب چھوٹے بڑے میاں جان اور باہر والے خان بہادر صاحب کہتے تھے سوائے ان کے یارِ غار پنڈت

START PASSAGE

[redacted]

گنگا دت مجھور کے جو انہیں کبھی شری مشتاق علی اور کبھی مشتاق علی جی کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ بہرحال یہ مخطوطہ برآمد ہو کر میرے لئے ایک اچھی خاصی آزمائش بن گیا۔ ایک تو ورق بے ترتیب تھے اور بہت بوسیدہ ہو گئے تھے۔ پھر میاں جان کا جناتی خط اُردو بھی ایسی لکھی تھی کہ اس کا لہجہ میرے لئے ذرا اجنبی تھا۔ بہرحال تھوڑا پڑھنے کے بعد میری اس میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔ سوچا کہ جب یہ ورق ہاتھ پڑ ہی گئے ہیں تو پڑھ کر دیکھنا تو چاہیئے کہ ان میں لکھا کیا ہے۔ پتہ تو چلے کہ آخر اس خاندان میں ایسی کونسی صفت تھی کہ ہر نسل میں کوئی بزرگ قلم دوات لے کر بیٹھ جاتا اور رواں ہو جاتا۔ کس انہماک کے ساتھ خاندانی حالات قلمبند کرتا اور پچھلے تذکرے کے ساتھ شامل کر کے اولاد کے لئے ایک قیمتی اثاثے کے طور پر چھوڑ جاتا۔ آخر میرے دادا پردادا مال و متاع چھوڑ کر بھی تو جاتے تھے۔ مگر وصیت ناموں میں جتنی تاکید ان پلندوں کے بارے میں ہے " اتنی جائداد کے بارے میں نہیں ہے۔

مجھے خیال آیا کہ آخر میں بھی انہیں بزرگوں کا خون ہوں، میرے یہاں خاندان کا تذکرہ لکھنے کی خواہش کیوں نہیں پائی جاتی۔ میں نے اپنے والد کے یہاں بھی ایسی کوئی خواہش نہیں دیکھی۔ انہوں نے بس اسی قدر کیا کہ بزرگوں کے لکھے ہوئے اوراق کو ضائع نہیں ہونے دیا ویسے انہوں نے اس سلسلہ میں مجھے کوئی ہدایت کوئی تاکید نہیں کی تھی۔ بلکہ میرے سامنے کبھی ان اوراق کا ذکر بھی نہیں کیا۔ وہ تو یہ کہئے کہ نئے مکان میں منتقلی کی تیاری میں سامان کا جائزہ لیتے ہوئے مجھے خیال آ گیا کہ والد مرحوم کے کاغذات کو ذرا کرید لیا جائے کہ جو ضروری ہیں انہیں سنگھوا لیا جائے اور جو فالتو ہیں انہیں ٹھکانے لگایا جائے۔ بس اس پھان پھٹک میں یہ مسودہ نکل آیا جس کے ورق الگ الگ تھے اور بہت خستہ و بوسیدہ تھوڑے دن اور اسی طرح بند پڑے رہتے تو دیمک کی غذا بن جاتے۔

میرے والد نے اگر تذکرہ نہیں لکھا تو اس کی وجہ تو سمجھ میں آ گئی۔ میاں جان کے

[redacted]



بعد وہ جئے ہی کتنے دن ۔ باپ کے جیتے جی انہیں یہ فریضہ ادا کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ۔ مگر میرے یہاں یہ خواہش کیوں پیدا نہیں ہوئی ۔ میں نے اپنے بڑوں کی آنکھیں دیکھیں اور ان کی آنکھ بند ہوتے بھی دیکھی ۔ میاں جان کا جنازہ اٹھتے دیکھا ۔ پھر والد صاحب کا سایہ سر سے اٹھتے دیکھا ۔ والد صاحب بس یہاں آتے ہی سدھار گئے ۔ جیسے اسی کام کے لئے انہوں نے ان پر آشوب دنوں میں ہجرت کی زحمت اٹھائی ہو اور جیسے اسی خاطر اس نئی زمین نے انہیں بلاوا بھیجا ہو ادھر آئے اور ادھر گئے اور ادھر تو والد گئے ۔ ادھر چچا جان جنہوں نے علی گڑھ میں ڈیرا کر لیا تھا مہینوں میں چٹ پٹ ہو گئے ۔ اب ان بزرگوں کو گذرے ہوئے پورا ایک زمانہ ہو چکا تھا اور اب خود میں بزرگ ہو چلا تھا یا یوں سمجھئے کہ بزرگوں کی موت نے مجھے بزرگ بنا دیا تھا ۔ مگر اس صورت میں بھی میرے یہاں خاندان کا تذکرہ لکھنے کی خواہش پیدا نہیں ہوئی ، حالانکہ ہجرت کے عمل میں اس خاندان کو جیسے دن دیکھنے پڑے تھے ان کی وجہ سے وہ ایک تذکرے کا مستحق تو تھا ۔

END PASSAGE

اگر اجداد کی وضع کے خلاف میرے یہاں خاندانی حالات قلمبند کرنے کی خواہش پیدا نہیں ہوئی تو میری سمجھ میں اس کی وجہ یہی آئی کہ میں ایک اکھڑا اکھڑا آدمی ہوں ۔ وہ اطمینان جو میاں جان کو میسر تھا وہ مجھے کب میسر آیا ۔ میاں جان کی زندگی میں تو ایک جماؤ تھا ۔ پتھر اپنی جگہ پہ بھاری ہوتا ہے ۔ پتھر سے زیادہ میاں جان بھاری تھے کہ کس اطمینان اور آسودگی کے ساتھ اپنی ٹھیک پر جمے بیٹھے رہے ۔ شہر سے نکلنا تو دور کی بات ہے ، ڈیوڑھی سے نکلنے کی بھی کم ہی ضرورت محسوس کرتے تھے ۔ بس دو ایسے موقع آتے تھے جب چراغ حویلی سے قدم نکالتے تھے ۔ ایک ساون بھادوں کے دنوں میں جب نوروز منانے کی نیت سے خاندانی تام جھام کے ساتھ باغ میں جا کر ڈیرا لگاتے ۔ ایک اس وقت جب انگریز کلکٹر دورے پر یہاں آن وارد ہوتا ۔ اس موقع



پر ہوا کس اہتمام سے تانگہ جوتا جاتا ۔ کیا چم چم کرتا تانگہ تھا اور کیا چم خم اس گھوڑے کے تھے ۔ بگھی تو پتہ نہیں کس زمانے سے کھٹ بگڑی گرد آلود اندر اصطبل میں کھڑی تھی ۔ اب تو اس تانگہ ہی کی بہار تھی کہ جب میاں جان اس میں بیٹھ کر نکلتے تو راہ چلتے لوگ ٹھٹھک کر کھڑے ہو جاتے اور اپنی اپنی ٹھیک پر بیٹھے ہوئے دکاندار کھڑے ہو کر سلام کرتے کہ ایک ایک کو پتہ ہوتا کہ خان بہادر صاحب انگریز بہادر سے ملاقات کے لئے ڈاک بنگلہ جا رہے ہیں ۔

باقی دنوں میں وہی ایک طور کہ صبح ہی صبح مردانے میں بیٹھ کر عدالت لگانا ۔ (آنریری مجسٹریٹ ہوتے تھے) دوپہر ہوتے ہوتے عدالت ختم کرکے دسترخوان پر بیٹھنا ، اس کے بعد قیلولہ کہ گرمی کے دن ہوئے تو دھوپ ڈھلنے تک خس کی ٹٹیوں سے لیس کمرے میں لمبی جھالر والے پنکھے تلے آرام کرنا ، شام پڑے چھڑکاؤ سے شاداب صحن میں برآمد ہونا اور گاؤ تکیے کے سہارے تخت پہ بیٹھنا کہ ان کے آکر بیٹھتے ہی ملاقاتیوں جی حضوریوں کا تانتا بندھ جاتا اور رات گئے تک بندھا رہتا ۔ اسی ایک طور پر پوری زندگی چراغ حویلی میں گزار دی ۔ وہیں پیدا ہوئے ، وہیں سے جنازہ نکلا ۔ اب ہم پیدا کہاں ہوتے ہیں ، مرتے کہاں جا کر ہیں ۔ نال کس کوٹھری میں گڑتی ہے ، جنازہ کس ڈیوڑھی سے نکلتا ہے ۔ آدمی اب ڈال سے ٹوٹا پتہ ہے کہ ہوا اسے اڑائے اڑائے پھرتی ہے کہاں سے رولتی ہے کہاں جا کر ڈھیر کرتی ہے ۔

میاں جان چراغ حویلی میں بیٹھے پتھر کی مثال بھاری تھے ۔ میں گلی کا روڑا بن گیا ۔ یہاں آکر کتنے مکان بدلے ، کس کس محلہ میں جا کر رہا ۔ ایک وہ لوگ تھے جنہوں نے شہر میں وارد ہوتے ہی بلاتکلف کسی متروکہ مکان کا تالا توڑا اور جم کر بیٹھ گئے ۔ اپنے پرائے الاٹمنٹ کا پروانہ لے کر آتے ، پولیس کی کمک ساتھ لاتے مگر وہ اپنی جگہ جمے بیٹھے ہیں نہ دھمکی دینے والوں سے مرعوب نہ سرکاری نوٹسوں کی پروا ۔ بس جس گھر میں براج گئے